ابرار خٹک*

رسالہ **معیارالاملا**: تحقیقی جائزہ

A Study of *Ma'yār-ul-Imlā*

Abstract:

Debi Parshad (1840-1902) was a poet, calligrapher, and educationist. His book *Ma'yār-ul-Imlā* is considered to be one of the earliest books written on Urdu orthography by Indian writers. This book has played a prominent role in the history and evolution of Urdu orthography. It is not necessary to agree to all suggestions offered by Parshad about the rules and conventions of Urdu orthography. However, its historical and academic significance is not to be ignored. This short book was meant to delineate the rules of orthography in a period when few scholars had come forward to make their footprints in this field. While providing an overview of the history of orthography, the author has underscored the successes and failures of Parshad as orthographer. In this paper, besides offering bale of references to the contemporary tradition of Urdu orthography, critical examination of the historical importance, challenges and possibilities has been carried out.

Keywords: Debi Parshad, *Ma'yār-ul-Imlā*, Urdu, Orthography, Pronunciation, Punctuation, Linguistic conventions, Linguistic Customs.

منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی (۱۸۴۰ء-۱۹۰۲ء) اردو زبان کے شاعر، ادیب، خطاط، علمِ بیان و بدیع کے ماہر اور معلم، بدایوں، اتر پردیش، ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنے متعلق اشعار میں لکھتے ہیں کہ میرا نام دیبی پرشاد، تخلص سحرؔ، رہائشی وطن بدایوں جب کہ اصل وطن بانگر مئو، متصل قصبہ سندیلہ، مضافِ لکھنؤ ہے۔ والد کا نام چنی لال ہے جو اخگرؔ تخلص کرتے ہیں، ان کی شاعری شہرت عام رکھتی ہے[۱]۔

دیبی پرشاد نے تکمیلِ علم کے بعد محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی اور ڈپٹی انسپکٹر (مدارس) کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے تھے۔ ابتدا سے شعر و شاعری کا ذوق تھا اور والد سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ اہم کتابیں یادگار چھوڑیں[۲]۔ لالہ سری رام نے

خمخانۂ جاوید میں ان کے متعلق لکھا کہ کشیدہ قامت، سانولہ رنگ، چیچک رو تھے۔ مزاج نفیس اور عطریات کے شوقین تھے۔ عادات، اخلاق کے لحاظ سے شریف اور صاحبِ تصانیف تھے۔ نظم پروین، خلاصۃ المنطق، معیار الاملا، محیط المساحت، مراۃ العلوم وغیرہ کے سوا ''واسوخت'' اور ''دو دیوان'' آپ کی یادگار ہیں۔ جن میں ایک کا نام سحرِ سامری ہے۔ آپ بدایوں میں دورِ اول و دوم کے مشاعروں میں شرکت فرماتے[۳]۔

ان کا اہم کام معیار الاملا ہے، جو اردو املائی روایت میں نہ صرف تاریخی اہمیت کا حامل ہے بلکہ اسے کسی ہندوستانی کی اردو املا پر پہلی باضابطہ تالیف بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۲۸۴ھ، بمطابق ۱۸۶۷ء-۱۸۶۸ء، مطبع نظامی، کان پور سے ہوئی تھی، جو کہ نایاب ہے[۴]۔ دوسری اشاعت ۱۸۹۷ء، مطبع نول کشور، کان پور سے ہوئی، تاہم ابو سلمان شاہ جہان پوری کے مطابق اس کا ایک ایڈیشن ۱۸۷۶ء میں بھی اسی مطبع سے شائع ہوا تھا[۵]۔ تاہم یہ روایت تحقیق طلب ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد کے رسالے رسم الخط، یعنی قواعد املائے عربی، فارسی و اردو (۱۸۷۷ء)[۶] کا شمار بھی زمانی ترتیب کے لحاظ سے ابتدائی کتب میں ہوتا ہے۔ اس کی پہلی اشاعت کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، افتخار احمد صدیقی کی کتاب مولوی نذیر احمد: احوال و آثار[۷] کی روایت سے سنِ تصنیف لگ بھگ ۱۸۶۹ء نقل کرتے ہیں[۸]، جب کہ احسن مارہروی نمونۂ منثورات میں ۱۸۷۳ء نقل کرتے ہیں[۹]۔ تاہم مطبع انسٹیٹیوٹ علی گڑھ کالج، ۱۹۱۹ء کی اشاعت کے سرورق پر اس کتاب کی پہلی اشاعت کا سن ۱۸۷۷ء لکھا گیا ہے، جو زیادہ درست معلوم ہوتا ہے[۱۰]۔

معیار الاملا کے آخری صفحے پر جناب گیندن امل صاحب نے طبع دوم کا قطعۂ تاریخ لکھا ہے اور نسخۂ بے نظیری سے ۱۳۱۴ھ نکالا ہے، جب کہ نیچے اپریل ۱۸۹۷ء، بارِ دوم لکھا گیا ہے[۱۱]۔ کتاب کے کل ۵۴ صفحات ہیں۔ سرورق پر درج ذیل تفصیل لکھی گئی ہے: رسالۂ معیار الاملا؛ متضمن قواعدِ املا و تصحیح الفاظ غلط العام جسکو [جس کو] جناب منشی دیبی پرشاد صاحب، سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس، ضلع بدایوں نے بمرادِ استعمال مدارس و مکاتب تالیف کیا۔ بعد تصحیح و نظر ثانی جناب مصنف و اضافۂ مضامین و حواشی و تنقیحِ تمام مطبع نول کشور واقع کان پور سے چھاپا گیا[۱۲]۔

لفظ ''متضمن'' (کے ضمن میں) بھی دل چسپی سے خالی نہیں کہ یہ لفظ میر بہادر علی حسینی نے قواعد زبان اردو مشہور بہ رسالۂ گل کرسٹ (یہ کتاب ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی ضخیم المحجم کتاب ہندوستانی زبان کے قواعد مطبوعہ ۱۷۹۶ء کی اردو زبان میں تلخیص ہے) کی تالیف اور ترجمے میں بھی استعمال کیا تھا، اس کے ۱۸۲۰ء کی اشاعت کا سرورق یوں تحریر کیا گیا تھا: قواعد زبان اردو۔ رسالۂ گلکرست۔ متضمن قوانینِ صرف و نحو ہندی[۱۳]۔

ممکن ہے درج بالا کتاب کا عنوان ''قواعد زبان اردو۔ رسالۂ گلکرست۔۔ متضمن قوانینِ صرف و نحو ہندی'' ان کے پیشِ

نظر رہا ہو۔

کتاب کی ابتدا ''بسم اللہ الرحمان الرحیم'' سے کی ہے، جب کہ غرض و غایتِ کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

(اقتباس / الفاظ نقل کرتے ہوئے کتاب کا اصل، جب کہ قوسین میں موجودہ املا درج کیا گیا ہے۔)

چوں کہ علمِ رسم الخط اور املا کا سیکھنا ہر طالب علم پر مقدم ہے مگر اس زمانہ مین [میں] اکثر شخص اوسکے [اس کے] قواعد و ضوابط سے ناواقف ہین [ہیں] لہٰذا راقم آثم نے اوسکے [اس کے] قوانینِ ضروری کو کتبِ معتبرہ مثل رسالہ مولوی انور علی[14] غیاث اللغات[15] و برہانِ قاطع[16] وغیرہ سے جسقدر [جس قدر] طلبۂ فارسی و اردو کے لیے مفید ہو، انتخاب و ترجمہ کر کر ''معیار الاملا'' نام کیا[17]۔

کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیبی پرشاد کے سامنے بھی اردو املا پر کسی مربوط کتاب کا نمونہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے طلبہ کے لیے اس کی تالیف کی اور جن کتب سے انتخاب و ترجمہ کیا ہے وہ بھی فارسی سے متعلق ہیں۔ کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

فصل اول: کتابت حروفِ مفرد مین [میں]

فصلِ دوم: کتابتِ کلمات مرکبہ

فصلِ سوم: بیان میں ان الفاظ کے جنکا [جن کا] املا غلط مشہور ہے۔ (مولف نے اس کی ترتیب جدول میں چار (۴) عنوانات کے تحت رکھی ہے) :غلط العام- صحیح- معنی- کیفیت۔

فصلِ چہارم: بیان مین [میں] اون [ان] الفاظ کے جن مین [میں] اعراب غلط مشہور ہین [ہیں] یعنی تلفظ جن کا غلط کیا جاتا ہے۔ مولف نے ترتیب جدول میں چار (۴) عنوانات کے تحت رکھی ہے :لفظ-اعرابِ غلط-اعرابِ صحیح- معنی- کیفیت۔ کیفیت میں متعلقہ لفظ کے حوالے سے وضاحت یا مزید تفصیل دی ہے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ مولف نے اعراب کی علامات یعنی زبر، زیر، پیش، شد، مد، ضمہ یا جزم کا استعمال نہیں کیا بلکہ اس کے لیے ناموں جیسے: فتح، ضمہ، کسرہ، بے مد، راء موقوف، بالفتح، بالکسر کا استعمال کیا ہے[18]۔

جیسا کہ اس دور کے مروجہ املا کی روایت تھی [نون غنہ ''ں'' کو ''ن'' کی شکل میں لکھا گیا ہے، وجہ یہ کہ ''ں'' کو الگ حرف کا درجہ حاصل نہ تھا۔ ڈاکٹر انصار اللہ کے مطابق تلامذۂ ناسخ (۱۷۷۲ء-۱۸۳۸ء) نے نون کے اعلان، ادغام کے مسائل پر بھی غور کیا اور بعض اصول وضع کیے، انیسویں صدی کے اختتام تک نون غنہ کو ایک الگ حرف کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی[19]۔ تاہم اس رسالے میں بھی 'ں' الگ حرف نہیں۔ نیز اس کو، ان کو ''اعراب بالحروف'' کی طرح، حرکات کے مطابق لکھا گیا ہے، جیسے اوسکو [اس کو]، اون [ان] وغیرہ۔ الفاظ کو اردو کی قدیم روایتِ املا ''اعراب بالحروف'' جیسا کہ یہ رجحان ترکی سے اردو میں آیا تھا

اور اردو میں قدیم دور میں کسی لفظ میں زیر کی بجائے ''ی'' اور پیش کی بجائے ''و'' لکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس ضمن میں حاتم اور انشاء اللہ خان کی اصلاحات سامنے آئیں کہ اعراب بالحروف نہ لکھے جائیں[۲۰]۔

تاہم فسانۂ عجائب کی اشاعتِ ۱۸۴۳ء، اور ۱۸۴۷ء میں بھی الف کے بعد واؤ لکھا ہوا ملتا ہے جیسے اوس، اوستاد وغیرہ[۲۱]۔ اس طرح اس کی جھلکیاں املائے غالب[۲۲]، دیبی پرشاد کی اس کتاب یعنی ۱۸۶۷ء وما بعد تک ملتی ہیں[۲۳]۔

مرزا خلیل احمد بیگ کے خیال میں موجودہ دور میں اردو کتابت کے اصول کافی حد تک متعین ہو چکے ہیں اور املا کا معیار بڑی حد تک قائم ہو چکا ہے۔ ابتدائی دور میں نہ تو اردو لکھنے کے اصول مقرر تھے اور نہ اس کے املا کا کوئی معیار مقرر ہوا تھا، کیوں کہ اردو اپنے ارتقائی دور میں تحریری زبان سے زیادہ بول چال کی زبان تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی قدیم تصانیف میں املا کی بے قاعدگیاں جا بہ جا نظر آتی ہیں۔ اردو کے قدیم مصنفین الفاظ کو جس طرح بولتے تھے اسی طرح لکھتے بھی تھے۔ صوتی املا کو عربی و فارسی کے اصل روایتی املا پر ترجیح دینے کی غالباً یہی ایک اہم وجہ ہو سکتی ہے، لیکن بعض اوقات، کاتب کی کم سوادی اور جہل کا بھی اس میں خاصا دخل ہوتا تھا[۲۴]۔ ملا وجہی کے سب رس (۱۶۳۵ء)، مرتبہ مولوی عبدالحق کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہر کاتب نے اپنے عصری تلفظ کے مطابق لفظوں کو لکھا ہے، اس طرح عصری تلفظ کا تعلق زیادہ تر لہجے اور عصری رسم الخط کے انداز سے رہا ہے[۲۵]۔

کتاب میں رموزِ اوقاف مفقود نظر آتے ہیں، جس سے عبارت کے سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ جملہ، موضوع یا عبارت کے ختم ہونے کا اندازہ بھی نہیں ہوتا، البتہ باب کے اختتام پر دو نقطے ایک ساتھ اور اس کے اوپر نیچے ایک ایک نقطہ ملتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد نیا باب شروع ہونے والا ہے۔ کتاب میں فارسی قاعدوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے تاہم اردو سے غیر متعلق ہونے کی وجہ سے اس مقالے میں جگہ نہیں دی گئی۔

> **ہمزہ، الف، ی اور ے کی کتابت:** کتابت ہمزہ میں واضح ہو کہ ہمزہ و [وہ] ہے کہ متحرک، ''بے ضغطہ ٔزبان''[۲۶] کے بولا جاوے اور حالتِ سکون میں ''ضغطہ ٔزبان'' سے ورنہ الف ''ے'' ہے۔ ہمزہ ساکن الفاظِ زبان فارسی مین [میں] دیکھنے میں نہیں آیا اور یہ فرق الف اور ہمزہ کا قوانینِ زبانِ عرب سے ہے۔ فارسی مین [میں] دونوں ایک ہین [ہیں] قدمانے املاء ہمزہ کے واسطے ایک صورت علیٰحدہ وبدین شکل ''ء'' ہمزہ مقرر کی ہے جیسے مائل و مشائخ و فوائد[۲۷]۔ جو ہمزہ ابتداے کلمہ میں واقع ہو اوسکو [اس کو] بصورتِ الف لکھتے ہین [ہیں] اور الف مضموم کے بعد واؤ اور مکسور کے بعد یاء تحتانی بھی زائد کرتے ہین [ہیں] جیسے اوستاد، اوفتاد و ایستادہ، اور اس واو اور 'یا' کو کبھی تلفظ بھی کرتے ہین [ہیں] اور کبھی ہمزہ یاء تحتانی سے بدل جاتا ہے، اوس [اس] حالت مین [میں] کہ قبل اوسکے [اس کے] باء زائد یا نون نفی یا میم نہی واقع ہو جیسے بیفگند، میفگند و میفگن اور کبھی ایسی حالت میں خذف بھی کر دیتے ہین [ہیں] جیسے بفگند، نفگند، مفگند[۲۸]۔

الف مضموم کے بعد واؤ کا اضافہ اردو میں نہیں کیا جاتا، بلکہ یہ کام دراصل "ُ" سے لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی ہے کہ منشی صاحب کے وقت اور مابعد تک، ترکی کی تقلید میں اعراب بالحروف کے ساتھ ساتھ جیسا بولو ویسا لکھو کی پیروی ملتی تھی۔ املائی معیارات وضع نہیں ہوئے تھے نہ ہی لسانی ترقی کا یہ معیار تھا، جس کو وہ "و" کا اضافہ کہتے ہیں وہ دراصل اعراب کے عدم استعمال کے ساتھ ساتھ جیسا بولو ویسا لکھو" کی پیروی تھی، وقت کے ساتھ ساتھ املا کی یہ صورت خود بخود ختم یا کم ہوتی گئی۔

> کلمہ کے شروع مین[میں]الف ممدودہ ہو اور اوس[اس] پر کلمۂ دیگر لادین[دیں] تو اکثر الف ممدودہ کے الف اول کو کہ ہمزہ 'ء' کو یائے تحتانی سے بدل دیتے ہیں جیسے آسیا کہ مخفف آسیاب کا ہے کہ اصل مین [میں] آس آب تھا۔ بعض الفاظ کی ابتدا میں ہمزۂ زائد لاتے ہین[ہیں] اور فصیح سمجھتے ہیں جیسی[جیسے] ابآ، ابیٓ وغیرہ اور بعض الفاظ کی ابتدا سے ہمزہ حذف بھی کیا جاتا ہے جیسے ابو وابن، مثل بوتراب، بولہب، بوقلمون، بوالفضول، زید بن عمرو[۲۹]۔ ہمزہ کا کہ وسط کلمہ مین[میں]واقع ہو پس اگر ساکن ہو بالضرور کلمہ عربی ہو گا اور اوسکو[اس کو] موافق حرکت حرف ماقبل کے الف یا واو یا یاء تحتانی سے لکھتے ہین[ہیں] جیسے راسٓ، وُبُوسٌ اور اگر متحرک ہو پس اگر مضموم ہے تو اکثر کتابت سے ساقط کرتے ہین[ہیں] جیسے مسئول وطاؤس اور اگر مفتوح ہے بشکل الف لکھتی[لکھتے]ہین[ہیں] جیسے مسالت ور مکسور ہے تو بصورت یا جیسے دائم، اس 'یا' کے تلے نقطہ ندینا[نہ دینا] چاہیے[۳۰]۔

یہ دونوں قاعدے اردو میں عموماً مستعمل رہے اور بولنے والوں نے ان الفاظ کو اپنے لہجوں میں ڈھال کر املائی تشکیلات بھی کی ہیں۔

> [ہمزہ] آخر کلمہ مین[میں]واقع ہو، فارسی مین[میں] اوسکو[اس کو] کتابت اور تلفظ دونوں سے خذف کر دیتے ہین[ہیں] جیسے ردا، انشا، وضو، جزو اور جبکہ ایسے الفاظ کو مضاف یا موصوف کسی دوسری [دوسرے] لفظ جزء کے، ہمزہ مخذوف بشکل یا لکھا جاتا ہی[ہے] اور ہمزہ پڑھتے ہین[ہیں] جیسے روائے، ووضوے جائز، لیکن لفظ جزء کے ہمزہ مخذوف کو واو سے بدل لیتے ہین[ہیں] جیسے جزو۔ جس لفظ کے آخر الف ممدودہ یا مقصورہ یا واو ہو، اوسکے[اس کے] آخر حالتِ اضافت و توصیف مین[میں] یا لکھتے ہین[ہیں] جیسے ردائے سیاہ، وعصائے کلیم و وضوے کامل و ترازوے عدل۔ کبھی بے اضافت و توصیف میں بھی جیسے خدائے راست۔ اور جس کلمہ کے آخر ہائے ہوّز ہو اور یائے معروف یا مجھولِ نسبتی لادین[دیں] تو درحالت اشباع ہمزۂ ملینہ سے بدل جاتی ہے اور خوش نویس یوں "یے" لکھتے ہین[ہیں] جیسے خدائی من، رسوائی، تو خوب روئی، وضوئی، یک سوئی اور اہلِ عرب وقتِ الحاق یاء نسبت کے اوس[اس] ہمزہ کو واو سے بدل دیتے ہین[ہیں] جیسے سوداوی، صفراوی اور اسیطرح[اسی طرح] جس کلمہ کے آخر الف مقصورہ ہو، اور یاء معروف خواہ مجہول آخر اوسکے[اس

> کے]لادین[دیں]اوسکو[س کو]بصورت دو یا کے لکھنا چاہئے اور ہمزہ پڑھنا چاہیئے [چاہیے] جیسے مصطفائی، مرتضائی،اور وقت الحاق یاے نسبت کبھی اس الف کو واو سے بدلدیتے [بدل دیتے]ہیں جیسے مصطفوی، مرتضوی، اگرچہ اہل عرب اس الف کو خذف ہی کر دیتے ہین[ہیں]اور مصطفٰے و مرتضٰے ہی کہتے ہیں[۳۱]۔

اردو میں ہمزہ کلمہ کے آخر میں، اب عام طور پر خذف کیا جاتا ہے اور شاذ ہی اس کا استعمال ملتا ہے، تاہم جہاں تک بولنے کا تعلق ہے، کافی حد تک ان کی بات درست ہے، البتہ جہاں تک ہمزہ مخذوف بشکل یا لکھنے اور ہمزہ پڑھنے کا تعلق ہے، محل نظر ہے۔ فارسی میں ایسا ہوتا رہا ہے تاہم اردو میں اس قاعدے کے متعلق اختلاف پایا جاتا رہا ہے۔ عمومی مزاج بولنے اور لکھنے دونوں کا ''ہمزہ'' کے ساتھ ہے۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا خیال ہے کہ املا کے معاملے میں بنیادی چیز تلفظ ہے، چناں چہ اگر کسی تلفظ میں دو مصوتے ساتھ ساتھ آئیں تو اسے ہمزہ سے لکھنا چاہیے ورنہ نہیں ۔ (نائب، غائب، فائدہ ،کائے، آؤ، آگئے، اٹھایئے، جایئے۔) جن الفاظ میں مصوتہ اور نیم مصوتہ کا جوڑ ہے وہ ہمزہ سے نہیں لکھنا چاہیے جیسے : لیے، لیجیے، دیجیے، دیکھیے، سنیے، چاہیے، کیے، کیجیے، دیجیے۔ ذیل کے لفظوں میں دو مصوتے آئے ہیں، اس لیے ہمزہ لکھنا چاہیے، فرمائیے، آئیے، جائیے، کھوئیے، سوئیے[۳۲]۔ باقی تمام حالتوں میں کسرۂ اضافت درست۔ اضافت کے لیے ''ا'' اور ''و'' کے بعد ہمزہ لکھنا مناسب ہے کیوں کہ دو مصوتے ساتھ ساتھ آئے ہیں جیسے اردوئے معلٰی، آرزوئے دل، روئے زیبا، صدائے دلکش[۳۳]۔ اضافت کا ہمزہ ان الفاظ میں لگے گا جہاں ہائے مختفی پر ختم ہوں، نالۂ دل وغیرہ۔ طلبا، انشا وغیرہ میں الف درست، کیوں کہ اردو میں دو مصوتوں کا جوڑ نہیں، اس لیے ہمزہ سے لکھنا مناسب نہ ہوگا، البتہ پوری ترکیب عربی ہو تو پھر درست، جیسے انشاء اللہ، ذکاء اللہ، منشاء الرحمان، یہی حال سوءِ اتفاق کا بھی ہے[۳۴]۔

اردو کا اپنا لب و لہجہ، صوتی و لسانیاتی نظام ہے اور املا کا فیصلہ بھی اسی کے مطابق ہونا چاہیے۔ رشید حسن خاں نے فارسی کی سند دی تھی کہ فارسی میں (فرمائش، آزمائش، نمائش کی تحریر کے وقت) ہمزہ کے بجائے ''ے'' لکھی جاتی ہے یعنی آرایش، فرمایش، نمایش وغیرہ۔ اس پر ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے لکھا تھا کہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ خود اردو کی ضرورت کیا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ ان الفاظ میں ہمزہ لکھنے سے ہی وہ تلفظ پیدا ہوتا ہے جو اردو میں رائج ہے، مثلاً فرمااش، ہے گویا اس میں ہمزہ الف کا قائم مقام ہے اور ہمزہ کے بجائے ''ی'' لکھنے سے ان کا تلفظ ''فرمایش'' کرنا پڑے گا یا ''فرمایَش'' اور یہ دونوں اردو کے تلفظ نہیں فارسی کے ہوں تو ہوں[۳۵]۔ منشی دیبی پرشاد کے سامنے بھی فارسی قواعد تھے، اور فارسی میں عربی کے ساتھ ایک خاص قسم کا تاریخی اور روایتی بُعد پایا جاتا رہا ہے۔ اردو املا کو فارسی کے تناظر میں دیکھنے کی روش بہت پرانی ہے۔ڈاکٹر رؤف پاریکھ کی یہ رائے صائب ہے کہ اردو کے لیے فارسی کی سند لانا بنیادی طور پر غلط ہے، اگر فارسی کی سند دیں گے تو پھر ہر معاملے میں دی جائے۔ جب فارسی لکھیں گے تو فارسی کے

اصولوں کی پیروی کی جائے گی، سرِ دست اردو لکھ رہے ہیں[۳۶]۔

الف مقصورہ: کتابتِ الف میں واضح ہو کہ الف حرفِ ساکن بشکل خطِ مستقیم ہے، پس وہ ابتداء کلمہ ہرگز واقع نہو گا[نہ ہو گا] کیوں کہ ابتدا ساکن سے غیر ممکن ہے، پس جو الف وسط کلمہ میں ہوا کثر اہلِ عرب اوسکا[اس کا]خذف کتابت سے واجب سمجھتے ہین[ہیں] فارسی دان اکثر مع الف لکھتے ہین[ہیں] جیسے اسحاق و اسماعیل وہارون و رحمان و لاکن و ثلاث مگر اللہ و ہذا[ہٰذا] بدون الف ہی لکھتے ہین[ہیں] اور بحالتِ امالہ ایسے الفاظ مین[میں]الف کو بشکل ''یا'' لکھتے ہیں جیسے لیکن، نہیب، ایمن و اقرب و حسیب کبھی الف کو بشکل واو لکھتے ہیں مگر شاذ مثل صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور کبھی کبھی الف لکھا جاتا ہے اور پڑھنے میں نہیں آتا، جیسے الف خواند و ماند و راند اور۔۔ بیانِ الف کا کہ آخر کلمہ مین[میں]واقع ہو اسکو[اس کو] یہاں و کے بغیر لکھا ہے]اہلِ عرب بہ صورتِ الف ہی لکھتے ہین[ہیں] جیسے ہوا، مدعا ،ماجرا۔ بخلاف عرب کہ وہ ہوی، مدعی ،ماجری ،بامعنی لکھتے ہین[ہیں] البتہ جب لفظ عربی کے ساتھ مرکب ہو تو بجاے[یہاں ''ئے''نہیں لگاتے] جیسے مدعی علیہ اور جب الف ندا، انمیں[ان میں نیز الف مقصوریٰ کو الف ندا لکھا ہے] زیادہ کریں تو بھی یا سے بدل دیتے ہیں جیسے موسا، عیسا اور جب اشتباہ التباس کا ہوتا ہے تو بنعاللعرب(مراد عرب کی لغت یا قاموس) بدستور عرب لکھتے ہین[ہیں] جیسے لفظ اولے کو اگر اولا لکھیں تو بمعنی اول کے مفہوم ہو گا، نیز اہلِ فارس کلمۂ عرب کو کہ یاء خالص سے ہو اکثر الف سے پڑھتے[ہین]ہیں، جیسے تمنا، تولا نبرا، کہ اہلِ عرب 'یا' سے لکھتے ہین[ہیں][۳۷]۔

اردو میں الف مقصورہ کا عمومی رجحان قرآنی الفاظ کی حد تک الف مقصورہ کے ساتھ رہا ہے، جب کہ دیگر الفاظ کے املا میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور جدید دور میں کافی حد تک الف مقصورہ کا استعمال کم ہو گیا ہے۔ اس حوالے سے علمائے املا میں کافی اختلاف رہا ہے تاہم مقتدرہ قومی زبان[۳۸] اور دیگر علمائے املا کی اکثریت کی رائے تھی کہ جن قرآنی الفاظ کا املا، الف مقصورہ کے ساتھ تھا، انھیں اسی طرح رہنے دیا جائے۔ الف مقصورہ اردو کی ضرورت ہے اور بہت سارے الفاظ میں اس کا استعمال ہوتا ہے جیسے حتیٰ، لہٰذا، ہٰذا وغیرہ۔ اسی طرح موسیٰ، عیسیٰ میں بھی الف مقصورہ کی روش برقرار چلی آرہی ہے۔ اردو میں فارسی کی روایت کی پیروی میں الف مقصورہ کی جگہ ''ا'' کے استعمال کو عام کرنے کی بہت کوشش کی گئی تاہم اس کا چلن عام نہ ہو سکا۔

اور جہاں تنوین فتحہ کی ہو عرب اُسکو حالتِ وقف مین[میں]الف ورنہ تنوین پڑھتے ہین[ہیں] اہلِ فرس ہمیشہ الف ہی پڑھتے ہین[ہیں] جیسے اتفاقا، مرحبا، اصلا علامتِ تنوین لکھنا پڑھنا چاہیے[۳۹]۔

اردو میں اتفاقاً، اصلاً ہی لکھا جاتا ہے۔

اور گانوٗں یا چیزون یا آدمی وغیرہ کے نام زبانِ ہندی یا ترکی الف سے لکھنا چاہیے جیسے سمرہ، کلوا و محلکا و سر کا بلکہ

املاء اردو مین [میں] جو لفظ کہ آخر ان کے ہاء مختفی ہے در حالتِ فتح ما قبل الف سے اور در حالتِ کسرۂ ما قبل 'یا' سے لکھنا چاہیے جیسے پروا پریے۔ اور کبھی الف آخر کلمات کے بدون کسی فائدہ کے لکھدیتے [لکھ دیتے] ہین [ہیں] جیسے مسیحا، طالبا[40]۔

مقامات، چیزوں اور اسموں کے ناموں کے لیے انھوں نے ہندی اور ترکی کی صورت میں الف سے لکھنے کی جو بات کی ہے، اس کا تعلق اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۱۸ء-۱۷۰۷ء) کے اس فرمان سے ہے جس میں فضائل خان کے عرض کرنے پر کہ ہندی رسم الخط میں اسم و کلمہ کے آخر میں "ہ" نہیں آیا کرتی بلکہ الف ہوتا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کو الف کے ساتھ لکھا جائے۔ عالمگیر نے یہ تجویز پسند کی اور حکم دے دیا کہ آئندہ ایسے کلمے الف کے ساتھ لکھے جائیں۔ یعنی مالوہ کو مالوا، بنگالہ کو بنگالا۔ اس فرمان کی تعمیل نہ صرف شاہی دفاتر اور ٹکسالوں میں ہوئی بلکہ اردو خواں لوگوں نے بھی یہی املا اختیار کیا[41]۔ سب سے پہلے اس فرمان پر خان آرزو کا محاکمہ اہم ہے جو لسانی لحاظ سے اس کی اصلیت کھولنے کے لیے کافی ہے:

ہر لفظ کہ ہاے مختفی داشتہ باشد (ہندیان) آں را بالف خوانند مثل چمچا' بداں کہ ایں قسم لفظ کہ آخر آں ہاے مختفی بود فارسیان آں را بہاے مختفی تلفظ کنند و ہندیاں بہ الف، مثل بنگالا و مالوا و روپیا کہ زر رائج ہندوستان است۔ آں ہا بنگالہ و مالوہ و روپیہ گویند و نویسند۔ چناں چہ از کلام اساتذہ و محاورہ اہلِ زبان بہ ثبوت رسید۔ پس در ہندی ایں قسم الفاظ را بہ ہاے مختفی خواندن غلط باشد و در فارسی بہ الف، و آں چہ در عہد عالم گیری ایں قاعدہ برہم خوردہ بود و در دفاتر بنگالا و مالوا و غیرہما را بہ الف می نوشتند محض غلط و منشاء آں غفلت از تحقیق است۔

ترجمہ: ہر لفظ جو (آخر میں) ہائے مختفی رکھتا ہو، اہلِ ہند اس کا تلفظ الف کے ساتھ کرتے ہیں جیسے چمچا؛ اس لحاظ سے اس قسم کے الفاظ جن کے آخر میں ہائے مختفی ہو، فارسی بولنے والے اس کا تلفظ ہائے مختفی کے ساتھ کرتے ہیں جب کہ ہندوستانی الف کے ساتھ؛ مثلاً بنگالا و مالوا اور روپیا کہ سکہ رائجِ ہندوستان ہے۔ فارسی بولنے والے بنگالہ و مالوہ و روپیہ بولتے اور لکھتے ہیں۔ اساتذہ کے کلام اور اہلِ زبان کے محاورے سے یہ بات ثابت ہے، اس لیے ہندی میں اس قسم کے الفاظ ہائے مختفی کے ساتھ پڑھنا غلط ہو گا اور فارسی میں الف کے ساتھ۔ اگرچہ عالم گیر کے عہد میں یہ قاعدہ عام ہوا اور دفاتر میں بنگالہ و مالوہ وغیرہ الف کے ساتھ لکھا جاتا رہا، تاہم یہ غلط تھا اور تحقیق سے غفلت کا نتیجہ ہے[42]۔

ہندی میں ہائے مختفی کا وجود موجود رہا ہے، اور یہ فیصلہ لسانی لحاظ سے محل نظر ہے۔ اردو میں اس نظریے کی پیروی کرنے والے بہت سارے پیرو موجود ہیں۔ رشید حسن خاں بھی اس کے علمبرداروں میں سے رہے ہیں، مگر آج بھی بہت سارے شہروں کے نام "ہ" کے ساتھ ہی لکھے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے شمس الرحمان فاروقی کی یہ رائے قابلِ توجہ ہے کہ بہت سے

لو گوں کا خیال ہے کہ چوں کہ ہندی میں ہائے مختفی کا وجود نہیں اس لیے ہندی لفظوں کو ہائے مختفی سے نہ لکھا جائے۔ جیسے باڑہ، پتہ ، پیسہ ، ڈاکہ ، گھنٹہ ، مہینہ ، میلہ کو باڑا، پتا، پیسا، ڈاکا، گھنٹا، مہینا، میلا لکھا جائے۔ اگر ہندی سے مراد جدید ہندی ہے جو دیوناگری میں لکھی جاتی ہے تو وہ الگ زبان ہے، اس رسم الخط میں فارسی، عربی الفاظ مثلاً: پردہ، چہرہ، دایہ، سکہ؛ لکھنے کا طریقہ ہی نہیں، الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ وہاں کا عمل اردو کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ اپنی علامات سے لکھتے ہیں، فارسی اور عربی کو نہیں دیکھتے۔ اگر ہندی سے اردو اور آج کی اردو مراد ہے تو اس میں ہائے مختفی موجود ہے۔ چہرہ، شہرہ، مہرہ، پردہ، کیسہ؛ عربی میں بھی تو ہائے مختفی نہیں۔ عربی لفظ اور املا میں شہرہ، حلوہ اور غلبہ نہیں لیکن فارسی والے ان میں ہائے مختفی مانتے ہیں تو اردو میں ایسا کیوں نہیں ؟ یہ زبردستی اردو کے ساتھ کیوں؟۔۔۔۔۔ہائے مختفی کے حوالے سے غلط فہمی نے اردو میں یہ دباؤ پیدا کیا کہ جو دیسی لفظ ہائے مختفی سے لکھے جاتے ہیں، ان سے ہائے مختفی ترک کر کے الف لگایا جائے [۴۳]۔

منشی صاحب کی یہ رائے بھی درست نہیں کہ مسیحا اور طالبا میں الف بے فائدہ لکھا جاتا ہے، مسیحہ کا چلن اردو میں نہیں بلکہ مسیحا ہے اور طالبہ، اور ندائی صورت میں طالبا! کا قواعدی جواز موجود ہے۔ اردو نے اپنی ضرورتوں کے تناظر میں الفاظ کے ردو قبول کا فیصلہ کیا ہے۔

> **"ت" کی کتابت:** 'تا' جن کی مصدری لفظ عربی مین [میں] ہی آتی ہے، فارسی میں نہیں آتی۔ پس الفاظ نزاکت، ویگانگت و تمازت کہ زبانِ فارسی کے ہین [ہیں] تصرفِ فارسیان ہے یا غلط ہین [ں] اور تاء مصدری کو اہلِ فرس ہمیشہ مستطیل لکھتے ہین [ہیں] جیسے موافقت، سلطنت و نعمت ، متدیر بشکل 'ۃ' مثل عرب لکھنا خلاف املا و فارسی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ تائے غیر مصدری کو بھی بخلاف عرب اکثر دراز ہی لکھتے جیسے عورات، نبات۔ غرض کہ اہلِ فرس تاء ملفوظی کو دراز اور تائے مکتوبی کو کہ ہائے ہوز ملفوظ ہوتی ہے اوسکو [اس کو] گرد لکھتے ہین [ہیں] جیسے علامت، علامہ اور مطالب اور مطالبہ [۴۴]۔
>
> **کتابتِ نون:** نونِ نفی اگر فعل پر واقع ہو تو اوسکو [اس کو] متصل لکھنا چاہیے جیسے نکرد اور نکہا [نہ کہا] ورنہ جدا جیسے زید آیا نہ عمر [۴۵]۔

اردو میں کتابتِ "ت" کا عام انداز بھی یہی ہے، البتہ منشی صاحب نے کتابتِ نون کا جو قاعدہ بیان کیا ہے اس کا عمومی تعلق فارسی سے ہے۔

> **کتابت واو:** واو میں فارسیوں نے بعض الفاظِ عربی کے آخر میں واو زیادہ کر لیا ہے۔ کبھی واو لکھتے ہین [ہیں] اور پڑھنے میں نہیں آتا جیسے طاؤس، داؤد، کاؤس کہ تین واو پڑھنی [پڑھنے] میں آتی ہین [ہیں] اور اس ایک واو لکھ کر اسپر [اس پر] ہمزہ لکھ دیتے ہین [ہیں] اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ واو لکھنے میں آتا ہے اور پڑھنے میں نہیں

آتا وہ تین قسم ہے: اول واو معدولہ، کیوں کہ وہ کم بولا جاتا ہے اور اوس[اس] سے عدول کر جاتی ہین[ہیں] اور وہ قبل حروف کے آتا ہے الف و دال، و را و زا، و سین و شین ونون و ہا و یا، جیسے خواست، و شخوار، خود و خورشید، خوزم، خوست، خوش، اخوند، قوہلہ، خویش۔ دوم جیسے تو و چو و دو میں، کہ اصل میں یہ الفاظ یکحرفی[یک حرفی] تھے، مگر چوں کہ الفاظِ فارسی کم دو حرف سے نہیں ہوتے اول متحرک دوم ساکن، لہٰذا واو زائد کیا۔ یہ واو سوائے ضرورتِ شعری کے پڑھا نہیں جاتا۔ سوم واو عطف کہ درمیان دو فعل یا دو اسم کے واقع ہو جیسے نشست و برخاست، و زید و عمر، و تخت بخت۔ سوای[کہیں پر سوائے لکھا ہے کہیں سوای] اور جس لفظ کے آخر واو ہو تو در حالتِ اضافت یا توصیف کے بعد واو کے لکھنا چاہیے اور ہمزہ پڑھا جائے گا جیسے جاووے ہند اور ہندوی سیاہ[۴۶]۔

اردو میں عموماً جادوئے ہند اور ہندوئے سیاہ ہی پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔

کتابت ہائے ہوّز: جس لفظ کا حرفِ آخر متحرک ہو اوسکے[اس کے] آخر اہلِ عجم ہائے ہوّز مختفی زیادہ کر دیتی[دیتے] ہیں، جیسے رفتہ، پشمینہ کہ وچہ، ونہ، وبہ، وسہ، یہ، یا، سوائے ضرورتِ شعری وغیرہ تلفظ مین[میں] نہیں آتی[۴۷]۔

اردو میں عمومی قاعدہ بھی یہی ہے۔

نقاط: چوں کہ اکثر حروف ایک ہی شکل کے ہین[ہیں] صرف نقطہ ہی باعثِ تمیز ہے، پس رفع التباس کے لیے نقطہ دینا حروفِ متشابہ پر حالتِ وصل و فصل مین[میں] اشتباہ و التباس کا نہین[نہیں] ہے صرف نقطہ ہی باعثِ تمیز ہے، پس رفع التباس کے لیے نقطہ دینا حروفِ متشابہ پر حالتِ وصل و فصل دونوں مین[میں] واجب ہی[ہے] البتہ ف، ق، ن، ی، پر صرف حالتِ وصل میں ضرور ہے کیوں کہ فصل میں اشتباہ و التباس کا نہین[نہیں] ہے[۴۸]۔

اردو میں نقاط اور اعراب کی بڑی اہمیت ہے، اشتباہ و التباس ہی نہیں تفہیم و ابلاغ کی خاطر بھی اس کا استعمال ضروری ہے۔

اور کافِ عجمی پر دو مرکز دینا چاہیئے۔[چاہیے][۴۹]۔

ڈاکٹر غلام مصطفی خان کے مطابق ۱۵۹۴ء نورنامہ، میں ک اور گ پر ایک مرکز عام تھا[۵۰] اور یہ سلسلہ تا انیسویں صدی کے اختتام تک ملتا ہے[۵۱]۔

"ھ" کی کتابت: جس جگہ الفاظِ ہندیمیں[ہندی میں] ہائے ہوّز مخلوط التلفظ واقع ہوتی ہی[ہے] وہاں ہائے چشمہ دار استعمال کرتے ہین[ہیں] جیسے ٹھاکر، مجھے، جھاڑو وغیرہ[وضاحت][۵۲]۔

قدیم اردو مخطوطات میں "ہ" کی جگہ "ھ" اور "ھ" کی جگہ "ہ" لکھنے کی تفریق عموماً نہیں تھی، غالب کی تحریروں میں بھی

یہ بے قاعدگی عام تھی[۵۳]۔ منشی صاحب کے ہاں بھی اس کا فرق پوری طرح ملحوظ نہیں رکھا گیا تاہم درج بالا رائے درست ہے۔

کتابتِ کلماتِ مرکبہ: کلماتِ مرکبہ کو علٰحیدہ لکھنا چاہیئے اور کبھی شدت امتزاج کی[کے] سبب سے دو کلمہ کو متصل بھی لکھتے ہین[ہیں] کیوں کہ ان کلموں کو بمنزلۂ کلمۂ واحد خیال کرتے ہین[ہیں] اور ظاہر ہے کہ کلمۂ ثانی مرکب کا یا کوئی ایسا کلمہ ہے بدون ترکیب کلمۂ دیگر کے کچھ معنی نہیں رکھتا جیسے سارستان، لاخ مند، زار گار، ترناک، وندگر، در اساوش، گین بن دان و یہ بآن ار، ایسے کلمات کا متصل لکھنا ہی چاہیے [درست لکھا ہے] جیسے خاکسار، گلستان، سنگلاخ، مستمند، گلزار، ستمگار، بہتر غمناک، پیوند ستمگر، گنجو، دلاسا، مہوش، غمگین، قالین، قلم دان، سیبویہ، پیلبان، پہلوان، رفتار اور یا ایسا کلمہ ہے کہ بدون ترکیب بھی دلالت معنی پر کرتا ہے پس اگر بسبب شدتِ امتزاج بمنزلہ کلمۂ واحد ہو گیا ہے اوسکو[اس کو] متصل ہی لکھنا چاہیے جیسے شاہترہ، دلبر، دلآرام، دلدار وغیرہ علیٰ ہٰذا القیاس۔ لفظ انشاءاللہ وعنقریب، علٰحیدہ، ذی قعدہ وذیحجہ[ذی الحجہ] کہ عرب منفصل لکھتے ہیں و فارسے دان[فارسی دان] اس کو کلمۂ واحد سمجھکر[سمجھ کر] متصل ہی لکھتے ہین[ہیں] ورنہ منفصل لکھیں، جیسے غلام زید اور اسپِ عمرو غیرہ۔ اور لفظ صاحب دل وخوش نویس وغم گسار و دامن گیر وغیرہ، بہتر ہے کہ منفصل لکھین[لکھیں] اور کبھی بمنزلۂ کلمۂ واحد سمجھکر[سمجھ کر] متصل بھی لکھتے ہین[ہیں] اور جن دو کلمونکے[کلموں کے] درمیان حرفِ عطف فاصل ہو، ملا کر لکھنا چاہیے، جیسے نشست وبرخاست وگفت وگو و خان ومان وغیرہ اور یہ واو خذف بھی ہو جاتا ہی[ہے] اوس[اس] صورت میں متصل لکھنا بھی جائز ہے، جیسے رستخیز، گفتگو، جستجو وغیرہ[۵۴]۔

اس دور کے حوالے سے انتہائی مناسب تجاویز تھیں۔ اس وقت املا میں بے قاعدگیاں بہت زیادہ تھیں اور انتشار کا شکار تھا، ایسے میں دیبی پرشاد نے جن کلمات مرکبہ، منفصل و متصل سے متعلقہ تجاویز دیں، وہ قابلِ قدر تھیں۔ جس سے معیاراتِ املا کی تشکیل کے امکانات میں اضافہ ہوتا گیا۔

جس کلمۂ عربی کے اول مین[میں] الف و لام ہو اوسکو[اس کو] استعمالِ فارسی میں خذف کر دیتے ہین[ہیں] جیسے تخم قمِ ثریا، لیکن الفاظ القصہ، الحاصل والغرض وغیرہ کا الف مذکور ہو تو الف لام خذف ہو گا جیسے حاصلِ قصہ اور غرضِ سخن۔ البتہ، والغیاث، دارلامان، والعطش میں باتباعِ عرب کچھ تغئیر نہین[نہیں] کی اور لفظی عربی کو لفظ عجمی کے ساتھ الف لام سے مرکب کرنا نچاہیئے[نہ چاہیے] جیسے دارلکچہری و شہنشاہِ المعظم اور سعند الدر خواست وغیرہ۔ پس معدن الکرم ومنبع الفضل کو معدن کرم و منبع فضل لکھنا بہتر ہے اور کبھی بسبب کثرت شیوع کے کچھ تغیر نہین[نہیں] کرتے جیسے بیت المعمور اور بیت الحرام وبیت المقدس وفی الحقیقۃ وفی الواقع وفی الجملہ وعبد الرحمان وعبد الرزاق اور بضرورتِ شعری اعلام مین[میں] خذف الف ولام کا جائز بھی

ہے جیسے ع سعد ست و خلیل وعبد الرحمان [۔۔اوپر نیچے نقطہ][۵۵]۔

یہ عمل قواعد کا پابند نہ رہ سکا، عوام نے جو تراکیب بنائی تھیں وہ چلن میں آچکی ہیں اور اہل زبان سے فصاحت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ دیبی پرشاد نے جن تراکیب کو بدلنے کی کوشش کی ہے، وہ بھی تبدیل نہ ہو سکیں، کیوں کہ زبانیں چلن کی پیروی کرتی ہیں۔

غلط العام املا: مصنف نے جدولوں میں ان الفاظ کی فہرست دی ہے جن کا املا غلط لکھا جاتا ہے، یہاں صرف ان الفاظ کا اندراج کیا جاتا ہے، جن کا املا انھوں نے درست کر کے لکھا ہے۔ غلط العام: آذر، آذوقہ، ازدہام، الائچی، بوسیدہ، بوالہوس، تعلیقہ، توشہ خانہ، جمادالاولی، ثانی، جمعدار، چکووچاکو، چکن، چوغہ، چھاپہ، چاپہ، چھپر، چھینٹ، حادق وحداقت، حرج مرج، حسب الفرمائش، حلوای سوہن، مشکات، ہمشیرہ۔

صحیح: ازر (بزائے معجمہ)، آزوقہ (بزائے معجمہ)، اسامی[۵۶]، ازدحام، الاچی[۵۷]، پوسیدہ[*۱]، بولہوس، توشکخانہ، جمادی الاولی ولاخرے[*۲]، جماعہ دار، چاقو، چگن، بکافِ فارسی[۵۸]، چوغا، چپر، چیت، حاذق و خداقت، ہرج مرج، حسب الامر، حلوائے سو، مشکوۃ (الف مقصورہ نہیں لکھا) ہمشیر۔ (*۱: کیفیت: مگر بوسیدہ عربی کے استعمال میں ہے[۵۹]۔ *۲: کیفیت: چوں کہ جمادی کے آخر میں الف مقصورہ علامتِ تانیث ہے لہٰذا صفت اوسکی [اس کی] اولیٰ کہ مونث اول کا ہے، لانا بہتر ہے تا کہ صفت و موصوف میں مطابقت ہو اور ثانی ایسی جگہ بولا جاتا ہی [ہے] جہاں ثالث بھی ہو[۶۰]۔)

منشی دیبی پرشاد نے اکثر الفاظ کا املا اور اس کی تشریح و توضیح اپنی سوچ وفکر کے مطابق کی ہے، تاہم چلن کچھ اور شے ہے، اور وہ اس قسم کی انفرادی توجیہات کی نہیں مانتا۔ انھوں نے جن الفاظ کو غلط العام لکھا ہے، وہ فصاحت کی سند وصول کر چکے ہیں اور املا میں بھی اپنی جگہ بنا چکے ہیں، جب کہ جن کو صحیح لکھا ہے، ان میں سے اکثر الفاظ اس وقت بھی غلط تھے اور آج تو ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں۔ درج بالا الفاظ کا درست املا درج ذیل ہے:

آذر (ابراہیم علیہ السلام کے والد[۶۱])، ازوقہ[۶۲]، ازدحام[۶۳]، الائچی[۶۴]، بوالہوس[۶۵]، توشہ خانہ، جمادی الاولیٰ، جمادی الآخریٰ[۶۶]، جمعدار[۶۷]، چاقو[۶۸]، چکن[۶۹]، چغا[۷۰]، چھپر[۷۱]، چھینٹ[۷۲]، حاذق و حداقت[۷۳]، ہرج مرج[۷۴]، حسبِ فرمائش، حلوائے سوہن[۷۵]، مشکوٰۃ[۷۶]، جب کہ ہمشیرہ تو عام مستعمل ہے۔

اس وقت جب کہ املا کے حوالے سے معیار بندی کا فقدان تھا، نصابی کتب اور متعلمین کے لیے مسائل کا سامنا تھا اور رہنما کتب کی کمی تھی، منشی پرشاد کا یہ رسالہ معیار الاملا اس دور کے لحاظ سے یقیناً ایک بڑی کاوش تھی۔ اس کتاب کے ذریعے اردو املا سے متعلقہ علمی، فکری اور عملی مباحث کو نہ صرف بڑھاوا ملا بلکہ اس کی معیار بندی کے لیے راہیں بھی ہموار ہوتی

گئیں۔ جس روایت کا آغاز دیبی پرشاد کی کتاب معیار الاملا (۱۸۶۷ء-۱۸۶۸ء) اور مولوی نذیر احمد کی کتاب رسم الخط یعنی قواعد املا و انشا (۱۸۷۷ء) سے ہوا، اس کو احسن مارہروی نے فصیح الملک (۱۹۰۵ء)[۷۷] میں اردو املا سے متعلقہ تجاویز کے ذریعے آگے بڑھایا۔ ۱۹۲۰ء میں مولوی احمد علی، ناظرِ تعلیمات کی تجویز پر ہندی ماتراؤں کی تقلید میں انجمن ترقی اردو ہند نے کئی علامتیں اختیار کیں[۷۸]۔ ۱۹۲۶ء میں یہی کام عبدالغفار مدہولی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شروع کیا[۷۹]۔ جعفر حسن نے آسان رسم الخط (۱۹۴۰ء) میں لکھ کر بعض حروفِ تہجی کے اخراج کی تجاویز دیں[۸۰]۔ انجمن ترقیِ اردو ہند نے ۱۹۴۳ء میں املا کمیٹی کے قیام کا فیصلہ کیا جس میں مولوی عبدالحق، سید ہاشمی فرید آبادی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، برج موہن دتاریہ کیفی اور وہاج الدین ہستوری شامل تھے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے تجاویز مرتب کر کے ۱۶ ستمبر ۱۹۴۳ء کو ہماری زبان میں شائع کیں[۸۱]۔ ۱۹۶۰ء میں غلام رسول کی کتاب اردو املا منظر عام پر آئی[۸۲]۔

۱۹۶۵ء میں مکتبہ جامعہ ملیہ، نئی دہلی نے اردو املا میں ترمیم و تنسیخ کا بیڑا اٹھایا، جس کی مالی معاونت حکومتِ جموں و کشمیر نے کی اور رشید حسن خاں کی نگرانی میں معیاری ادب کی اشاعت کے حوالے سے دور رس اصلاحات نظر آئیں[۸۳]۔ رشید حسن خان کی کتاب اردو املا ۱۹۷۴ء میں منظر عام پر آئی[۸۴]۔ ۱۹۶۹ء میں حکومتِ ہند کی جانب سے ترقیِ اردو بورڈ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ۱۹۷۳ء میں املا کمیٹی قائم کی گئی جس کے ممبران ڈاکٹر عابد حسین مرحوم، رشید حسن خاں، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ تھے، اس طرح ۱۹۷۴ء میں املا نامہ کی اشاعت ممکن ہوئی[۸۵]۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب اردو املا اور رسم الخط ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی[۸۶]۔ حفیظ الرحمان واصف کی بھول بھلیاں (۱۹۷۷ء)[۸۷]، ابو محمد سحر اردو املا اور اس کی اصلاح (۱۹۸۲ء)[۸۸]، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد کی سفارشات اردو املا ۱۹۸۵ء کی اشاعت اس لحاظ سے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے[۸۹]۔ اردو املا و قواعد، منتخب مقالات اردو املا و رسم الخط مرتبہ گوہر نوشاہی (۱۹۸۶ء)[۹۰]، بعد ازاں ۱۹۹۲ء میں املا نامہ کا ترمیم شدہ ایڈیشن بھی آیا[۹۱]۔ ابو محمد سحر کی ایک اور کتاب اردو املا اور رسم الخط (۱۹۹۹ء)[۹۲]، ڈاکٹر محمد آفتاب احمد ثاقب کی اردو قواعد و املا کے بنیادی اصول[۹۳] اور شازیہ آفتاب کی اردو میں اصلاحِ املا کی کوششیں (۲۰۱۲ء)[۹۴] وغیرہ کتب کا سلسلہ یوں ہی جاری رہا۔ ادارہ برائے فروغِ قومی زبان، اسلام آباد کی سفارشات اردو املا (۲۰۲۲ء)[۹۵] کی اشاعت جدید اضافہ ہے، جس نے قومی مجلسِ املا بنا کر یکسانیتِ املا کی طرف قدم بڑھایا۔ اس لحاظ سے اردو املا کے مسائل و مباحث کی تاریخ و روایت[۹۶] انتہائی دل چسپ ہے۔ مسائل ہر دور میں موجود رہے ہیں اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا تاہم بہت سارے مسائل پر اتفاق کا عنصر نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے، اور اس میں یقیناً منشی دیبی پرشاد کے معیار الاملا کا کردار قابل ذکر ہے، کہ یہ موضوع کے لحاظ سے بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئی تھی۔

حواشی و حوالہ جات

* (پ: ۱۹۷۸ء) ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، نوشہرہ، خیبر پختونخوا۔

۱۔ منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، رسالہ قیافہ، اشاعت اول (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ستمبر ۱۸۷۳ء)، ا۔

سنو اب حال میرا بادلِ شاد
مرا ہی[ہے] نام احقر دیبی پرشاد
تخلص سحر، در شعر و سخن ہے
بدایون شہر مین[میں] میرا وطن ہے
وطن اصلی مگر بانگر مئو ہے
کہ جو قصبہ مضافِ لکہنؤ[لکھنؤ] ہے
مرے والد کا، چنی لال ہی[ہے] نام
کہ جن کی شاعری ہے شہرۂ عام
تخلص ان کا ہے مشہور اخگر
خدا رکھے سلامت میری [میرے]سر پر

۲۔ منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، واسوختِ سحر (لکھنؤ: مطبع نول کشور، س ن)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، دستور العمل (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۶۴ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، نظمِ پروین، یعنی تعلیماتِ خوش خطی نستعلیق مع قواعد (لکھنؤ: رام کمار پریس بک ڈپو، ۱۹۵۱ء) ش۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، رسالہ اصولِ مساحت (الہ آباد: گورنمنٹ پریس، سن ندارد)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، دیوانِ سحر (سحرِ سامری) (کان پور: مطبع نول کشور، ۱۸۶۸ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، خلاصۃ المنطق (کان پور: مطبع نول کشور، ۱۸۷۰ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، رسالہ قیافہ (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ستمبر ۱۸۷۳ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، لطائفِ ہندی (پٹیالہ: مطبع نول کشور، ۱۸۷۳ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، رسالہ چہل جوابِ تاریخی (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۷۸ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، ارژنگ چین (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۸۴ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، دیوانِ سحر (سحر سامری) (کان پور: مطبع نول کشور، ۱۸۹۳ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، دیوانِ سحر (طامات سحر) (کان پور: مطبع نول کشور، ۱۸۹۶ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، افکارِ نادرہ (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۶۶ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، معیار الابلاغت (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۳۳ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، لطائفِ ہندی (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۲۵ء)۔
منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی، معیار الابلاغت (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۶۶ء)۔

۳۔ لالہ سری رام، خُمخانۂ جاوید، بارِ اول، جلد چہارم (دہلی: ہمدرد پریس، ۱۹۲۶ء)، ۱۲۱-۱۲۲۔
۴۔ منشی دیبی پرشاد، معیار الاملا، اشاعت اول (کان پور: مطبع نظامی، ۱۸۶۷-۱۸۶۸ء)۔
۵۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، کتابیاتِ اردو املا اور دوسرے مسائل، اشاعت اول (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء)، ۱۹۔
۶۔ مولوی حافظ محمد نزیر احمد خان، رسم الخط یعنی قواعد املا و انشائے خط عربی، فارسی و اردو (علی گڑھ کالج: مطبع انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۱۹ء)۔
۷۔ افتخار احمد صدیقی، مولوی نزیر احمد: احوال و آثار (لاہور: مجلس ترقیِ ادب، ۱۹۷۱ء)، ۲۹، ۲۲۲
۸۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، بارِ اول، جلد چہارم (لاہور: مجلس ترقیِ ادب، فروری ۲۰۱۲ء)، ۱۱۲۴۔
۹۔ احسن ماہروی نمونۂ منثورات، بارِ اول (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء)، ۱۵۰۔
۱۰۔ مولوی حافظ محمد نذیر احمد خان، رسم الخط یعنی قواعد املا و انشائے خط عربی، فارسی و اردو (دہلی: صدیقی پریس، ۱۸۷۷ء)۔
۱۱۔ منشی دیبی پرشاد، معیار الاملا، اشاعت دوم (کان پور: مطبع نول کشور، ۱۸۹۷ء)، ۵۴۔
۱۲۔ منشی دیبی پرشاد، معیار الاملا، سرورق۔
۱۳۔ میر بہادر علی حسینی، قواعدِ زبانِ اردو، اشاعت دوم (لاہور: مجلس ترقیِ ادب لاہور، ۲۰۰۸ء)، ۴۹۔
۱۴۔ مولوی انور علی، قواعد فارسی (مقامِ اشاعت، سن ندارد)۔
۱۵۔ سراج الدین علی خان، غیاث اللغات (لکھنؤ: منشی نول کشور، ۱۸۸۷ء)۔
۱۶۔ محمد حسین بن خلف تبریزی، برہان قاطع، اشاعت اول (حیدر آباد دکن: ۱۰۳۰ شمسی)
۱۷۔ منشی دیبی پرشاد، معیار الاملا، اشاعت اول، ۱۴۱۔
۱۸۔ ایضاً، ۳۰۔
۱۹۔ ڈاکٹر محمد انصار اللہ، اردو کے حروفِ تہجی، اشاعت اول (علی گڑھ: شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی، ۱۹۷۲ء)، ۴۱۔
۲۰۔ رؤف پاریکھ، لغات اور فرہنگیں (کراچی: سٹی بک پوائنٹ ۲۰۲۱ء)، ۱۰۵-۱۰۶۔
۲۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفی خان، "اردو املا کی تاریخ" مشمولہ علمی نقوش، اشاعت اول (حیدر آباد: شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۵۷ء)، ۱۱۰-۱۱۱۔
۲۲۔ رشید حسن خاں، املائے غالب، طبع اول (کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۰۰ء)۔
۲۳۔ مولوی حافظ محمد نزیر احمد خان، رسم الخط یعنی قواعد املا و انشائے خط عربی، فارسی و اردو (دہلی: صدیقی پریس، ۱۹۱۲ء)۔
۲۴۔ مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل، اشاعت اول (علی گڑھ: ایجوکیشنل ہاؤس، ۱۹۹۰ء)، ۱۱۹-۲۰۱۔
۲۵۔ سید قدرت نقوی، سب رس ایک مطالعہ (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۰۳ء)، ۶۴۔
۲۶۔ شان الحق حقی، فرہنگ تلفظ، "ضغط بمعنی دباؤ، فشار" (اسلام آباد: ادارہ برائے فروغِ قومی زبان، ۲۰۱۷ء)، ۵۰۵۔
۲۷۔ منشی دیبی پرشاد، معیار الاملا، اشاعت اول، ۲۔
۲۸۔ ایضاً، ۳۔
۲۹۔ ایضاً، ۳۔
۳۰۔ ایضاً، ۴۔
۳۱۔ ایضاً، ۶۔
۳۲۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، اردو زبان اور لسانیات، طبع اول (لاہور، سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۷ء)، ۲۲۲۔
۳۳۔ ایضاً، ۲۲۳۔
۳۴۔ ایضاً، ۲۲۳۔

۳۵۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ "صحافت کی زبان اور اردو املا کا انتشار" مشمولہ قومی زبان، جلد ۸۸، شمارہ ۶ (کراچی: انجمن ترقیِ اردو، اپریل ۲۰۱۶ء)، ۷۲-۷۳۔
۳۶۔ ایضاً، ۷۲-۷۳۔
۳۷۔ منشی دیبی پرشاد، معیار الاملا، اشاعت اول، ۵۔
۳۸۔ اعجاز راہی (مرتب)، املا و رموزِ اوقاف کے مسائل، اشاعت اول (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)۔
۳۹۔ منشی دیبی پرشاد، معیار الاملا، اشاعت اول، ۵۔
۴۰۔ ایضاً، ۴-۵۔
۴۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، "اردو املا کی تاریخ" مشمولہ علمی نقوش، اشاعت اول، ۱۱۰-۱۱۱۔
۴۲۔ سراج الدین علی خان آرزو، نوادر الالفاظ، ڈاکٹر سید عبداللہ (مرتب) (کراچی: انجمن ترقیِ اردو، ۱۹۹۲ء)، ۲۰۹-۲۱۰۔
۴۳۔ شمس الرحمان فاروقی، لغاتِ روزمرہ، طبع چہارم (کراچی: آج پبلشرز، ۲۰۱۲ء)، ۳۴۷۔
۴۴۔ منشی دیبی پرشاد، معیار الاملا، اشاعت اول، ۶۔
۴۵۔ ایضاً، ۵۔
۴۶۔ ایضاً، ۵۔
۴۷۔ ایضاً، ۵-۶۔
۴۸۔ ایضاً، ۴-۵۔
۴۹۔ ایضاً، ۴-۵۔
۵۰۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، "اردو املا کی تاریخ" مشمولہ علمی نقوش، اشاعت اول، ۱۴۲۔
۵۱۔ مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل، اشاعت اول ۱۹۲۔
۵۲۔ منشی دیبی پرشاد، معیار الاملا، اشاعت اول، ۷۔
۵۳۔ مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل، اشاعت اول، ۱۹۲۔
۵۴۔ منشی دیبی پرشاد، معیار الاملا، اشاعت اول، ۷۔
۵۵۔ ایضاً، ۷۔
۵۶۔ ایضاً، ۷۔
۵۷۔ ایضاً، ۹۔
۵۸۔ ایضاً، ۱۰۔
۵۹۔ ایضاً، ۱۵۔
۶۰۔ ایضاً، ۱۱۔
۶۱۔ شان الحق حقی، فرہنگ تلفظ (اسلام آباد: ادارہ برائے فروغِ قومی زبان، ۲۰۱۷ء)، ۸۷۔
۶۲۔ ایضاً، ۲۱۔
۶۳۔ ایضاً، ۲۸۔
۶۴۔ ایضاً، ۵۵۔
۶۵۔ ایضاً، ۱۳۴۔
۶۶۔ ایضاً، ۲۷۴۔

۶۷۔ ایضاً، ۲۷۵۔

۶۸۔ ایضاً، ۲۹۵۔

۶۹۔ ایضاً، ۳۰۸۔

۷۰۔ ایضاً، ۳۰۵۔

۷۱۔ ایضاً، ۳۲۵۔

۷۲۔ ایضاً، ۳۳۳۔

۷۳۔ ایضاً، ۳۴۔

۷۴۔ ایضاً، ۳۳۹۔

۷۵۔ ایضاً، ۳۳۶۔

۷۶۔ ایضاً، ۴۶۴۔

۷۷۔ ڈاکٹر غلام مصطفی خان جامع القواعد، طبع اول (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۳ء)، ۱۶۸۔

۷۸۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر، اردو املا اور اس کی اصلاح، طبع اول (بھوپال: مکتبۂ ادب ۱۹۸۳ء)، ۲۱۔

۷۹۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر، اردو املا اور اس کی اصلاح، طبع اول، ۲۲۔

۸۰۔ ایضاً، ۱۲۔

۸۱۔ ایضاً، ۱۲-۱۳۔

۸۲۔ غلام رسول، اردو املا (حیدر آباد: ادارۂ ادبیاتِ اردو، ۱۹۶۰ء)۔

۸۳۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر، اردو املا اور اس کی اصلاح، طبع اول، ۲۱۔

۸۴۔ رشید حسن خان، اردو املا، طبع اول (دہلی: نیشنل اکادمی، ۱۹۷۴ء)۔

۸۵۔ گوپی چند نارنگ، املا نامہ (دہلی: ترقیِ اردو بورڈ، ۱۹۷۴ء)۔

۸۶۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اردو املا و رسم الخط (اصول و مسائل)، طبع اول (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء)۔

۸۷۔ حفیظ الرحمان واصف، ادبی بھول بھلیاں، طبع اول (دہلی: بازار چتلی قبر، کلر پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۹ء)۔

۸۸۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر، اردو املا اور اس کی اصلاح، طبع اول۔

۸۹۔ اعجاز راہی، سفارشات اردو املا و رموزِ اوقاف، طبع اول (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)۔

۹۰۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی (مرتب)، اردو املا و رموزِ اوقاف، طبع اول (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء)۔

۹۱۔ گوپی چند نارنگ، املا نامہ، نظر ثانی شدہ (دہلی، ترقیِ اردو بورڈ، ۱۹۹۲ء)۔

۹۲۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر، اردو رسم الخط اور املا (بھوپال: مکتبۂ ادب مالویہ، ۱۹۹۹ء)۔

۹۳۔ محمد آفتاب احمد ثاقب، اردو قواعد و املا کے بنیادی اصول، طبع اول (اسلام آباد: نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز، ۱۹۹۴ء)۔

۹۴۔ شازیہ آفتاب، اردو میں اصلاحِ املا کی کوششیں (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۲ء)۔

۹۵۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ، انجم حمید، عظمت زہرا، منظور احمد (مرتبین)، سفارشات اردو املا (اسلام آباد: ادارہ برائے فروغِ قومی زبان، ۲۰۲۲ء)۔

۹۶۔ ابرار خٹک، اردو املا کے مسائل و مباحث، تحقیقی و توضیحی مطالعہ (اسلام آباد: مملوکہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۲۱ء)۔

Bibliography

Aftab, Shazia. *Urdū meiṅ Iṣlāḥ-i Imlā kī kusheshaiṅ*. Islamabad: Muqtadarah-i Qaumī Ẓabān, 2012.

Ahmad Baig, Mirza Khalil. *Urdū ki Līsānī Tashkīl*. Aligarh: Educational Book House,1990.

Ahmad Khan, Maulvi Hafiz Muhammad Nazir. *Rasam-ul Khaṯ, Ya'nī Qavā'd-i Imlā-o-Inshā-i Khaṯ, 'Arabī, Fārsī aur Urdū.* Dehli: Siddiqui Press, 1912.

Ahmad Saqib, Muhammad Aftab. *Urdū Qavā'id-o-Imlā kē Bunyādī Aṣūl*. Islamabad: National Institute of Modern Languages, 1994.

Ali Hussaini, Mir Bahadur. *Qavā'id-i Ẓabān-i Urdū*. Lahore: Majlis-i Taraqqi-i Adab, 2008.

Faruqi, Shamsur Rahman. *Lūghāt-i Ruẓmarah*. Karachi: Aaj Publishers, 2012.

Fatehpuri, Farman. *Urdū Imlā-o-Rasmul Khaṯ (Usūl-o-Masā'il).* Lahore:Sang-e-Meel Publications,1977.

Haqqee, Shan-ul-Haq. *Farhang-i Talaffuz*. Islamabad: Muqtadarah-i Qaumī Ẓabān, 2017.

Jalibi Jameel. *Tārīkh-i Ādab-i Urdū*, vol. 4. Lahore Majlis-i Taraqqi-i Ādab, 2012.

Khan Arzoo, Sirajuddin Ali. *Nawādir-al-Ālāẑ*. Edited by Syed Abdullah. Karachi: Anjuman-i Taraqqi-i Urdū,1992.

Khan, Ghulam Mustafa. "Urdū Imlā kī Tārīkh", in *Ilmī Naqūsh*. Hyderabad: Shu'bah-i Urdū Sindh University, 1957.

Khan, Ghulam Mustafa. *Jāmi'-ul-Qavā'd*. Lahore: Urdū Science Board, 2003.

Khan, Rasheed Hasan. *Urdū Imlā*. Dehli: National Academy,1974.

Khan, Rasheed Hassan. *Imlā-i Ghālib*. Karachi: Idārah-i Yādgār-i Ghālib. 2000.

Khattak, Ibrar. *Urdū Imlā kē Masā'il-o-Mabāḥiṡ*. Islamabad: Allama Iqbal Open University, 2021.

Maharvi, Ahsan. *Namunah-i Manṡurāt*. Islamabad: Muqtadarah-i Qaumī Ẓabān, 1986.

Muhammad, Ansarullah. Urdū kē Harūf-i Tahajī. Aligharh: Shu'bah-i Urdū, Muslim University,1972.

Naqvi, Syed Qudart. *Sab Ras āik Muṯāli'ah*. Lahore: Maghrabī Pakistan Urdū Akedimī, 2003.

Narang, Gopi Chand. *Imlā Nāmah* (Revised Edition). Dehli: Taraqqi-i Urdū Board, 1992.

Narang, Gopi Chand. *Imlā Nāmah*. Dehli: Taraqqi-i Urdū Board, 1974

Narang, Gopi Chand. *Urdū ẓabān aur Līsānīyāt*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2007.

Noshahi, Gohar (Edited). *Urdū Imlā aur Ramūẓ-i Auqāf*. Islamabad: Muqtadarah-i Qaumi Ẓaban, 1986.

Parekh, Rauf. *Lūghāt aur Farhangaiṅ*. Karachi: City Book Point, 2021.

Rahi, Ijaz. *Sifārshāt Urdū Imlā-o-Ramūẓ-i Āuqāf kē Masā'il*. Islamabad: Muqtadarah-i Qaumī Ẓabān, 1985.

Ram, Lala Siri, *Khumkhānah-i Jāvēd*. Dehli: Hamdard Press,1926.

Rampuri, Maulvi Ghayasuddin. *Ghayās-ul-Lūghāt*. Lucknow: Munshi Nawal Kishore,1887.

Rasool, Ghulam. *Urdū Imlā*. Hyderabad: Idārah-i Adabīyāt-i Urdū, 1960.

Rauf Parekh, Anjum Hameed, Azmat Zehra, Manzoor Ahmad (compiled). *Sifārshāt Urdū Imlā*. Islamabad: Idarah Barā'ye Fīrugh-i Qaumī ẓabān, 2022.

Sahar Badayuni, Munshi Debi Parshad. *Ma'yār-ul- Imlā*. Kanpur: Maṯba'h Nīẓāmī, 1867.

Sahar Badayuni, Munshi Debi Parshad. *Rīsālah Qīyāfah*. Luckhnow: Maṯba'h Nawal Kishore September, 1873.

Sahar, Abu Muhammad. *Urdū Imlā aur us kī Iṣlāḥ*. Bhopal: Maktabah-i Ādab,1983.

Sahar, Abu Muhammad. *Urdū Rasam-ul Khaṯ aur Imlā.* Bhopal: Ādab Mālivīah,1999.

Shahjahanpuri, Abu Salman. *Kītābīyāt-i Urdū Imlā aur dusrē Masā'l*. Islamabad: Muqtadarah-i Qaumī , 1986.

Siddiqi, Iftikhar Ahamad. *Maulvi Naẓīr Āḥmad: Āḥvāl-o-Āṡār*. Lahore: Majlis-i Taraqqi-i Ādab, 1971.

Tabrezi, Muahammd Hussain bin Khalaf. *Burhān-i Qāṯ'e*. Hyderabad Dakkan: Shamsi, 1030.

Wasif, Hafeez ur Rahman. *Ādabī Bhūl Bhulayāṅ*. Dehli: Bāẓār Chatali Qabar, Color Printing Press, 1979.